فروری 2009ء

بانی خان بہادر مولوی فتح الدین (مرحوم)

ماہوار

گوجر گزٹ

لاہور

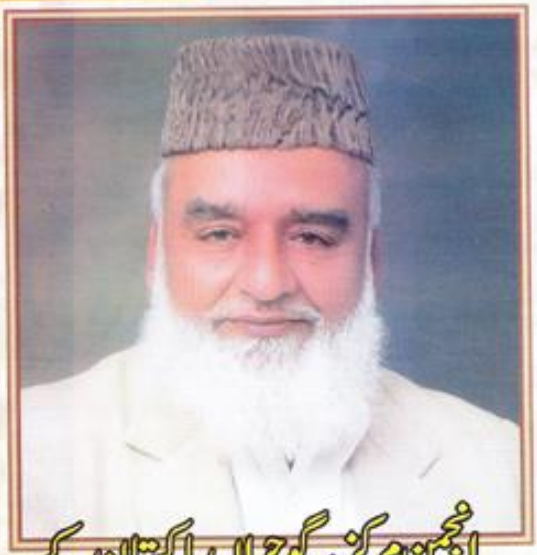

انجمن مرکزیہ گوجراں پاکستان کے

صدر چوہدری مسعود احمد

کی اہلیہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئی

انا للہ وانا الیہ راجعون

تمام برادری آپ کے غم میں برابر کی شریک ہے

تعلیم کے میدان میں برادری کو آگے آنا چاہیے

ہر جائز کام کیلئے دروازے کھلے ہیں

گوجر برادری کے ہونہار فرزند

محمد عامر جان ڈی سی او بہاولنگر

چوہدری اصغر علی گوجر پیپلز پارٹی لاہور کے صدر نامزد

ایسی اسلامی حکومت چاہیے ہو جہاں قانون بھی قرآن کا

3 فروری چوہدری رحمت علی کا یوم وفات

جس شخص نے وطن کی آزادی کیلئے مجاہدانہ کوشش کی

اسے آزادی وطن کے بعد بھی وہاں گوشتہ عافیت بھی نصیب نہ ہوگا

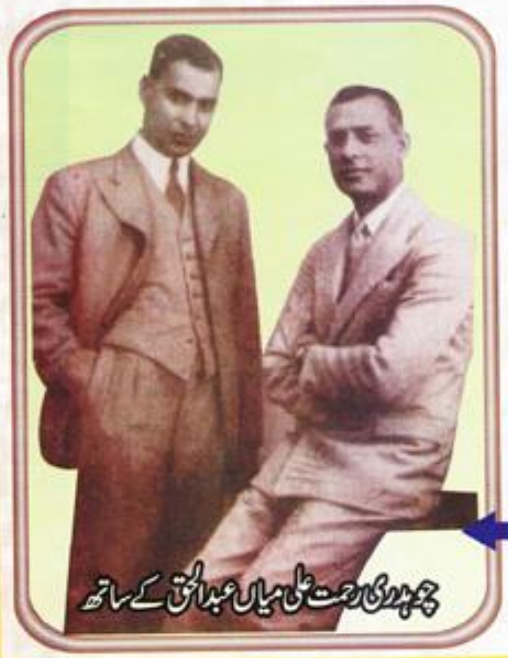

چوہدری رحمت علی میاں عبدالحق کے ساتھ

بلکہ آنے والی نسلوں کو علامہ اقبالؒ، چوہدری رحمت علیؒ اور قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کے نقشِ قدم پر چلنے اور خدمتِ خلق کی ترغیب دیں گے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی شکر گزار قوم اپنے محسنوں کو کبھی بھلاتی نہیں۔

مقامِ مسرت ہے کہ اس مقصد کے پیشِ نظر عوام میں چوہدری رحمت علی کے متعلق معلومات کی اشاعت کے لئے یہ کتابچہ شائع کیا گیا ہے جو واقفیتِ عامہ کے سلسلے میں ایک بہت بڑی کمی کو پورا کرتا ہے۔ امید ہے کہ یہ کتابچہ ان مقاصد کے لئے مفید پایا جائے گا۔ اور ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ کے واسطی کی مساعی سے ہسپتال اور بہبودیٔ عامہ کے ادارے قائم کرنے کا مبارک منصوبہ کامیاب رہے گا۔ اور ملک کے دوسرے اداروں کے لئے مثال بن جائے گا۔

امیر الدین

ای۔ ۱۲۴ گلبرگ III

لاہور

دیباچہ

راقم الحروف کو اپنی زندگی میں بہت سی عظیم ہستیوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ مثلاً مولانا حسرت موہانی، علامہ اقبال، قائداعظم جناح اور چودھری رحمت علیؒ۔ ان میں چودھری رحمت علیؒ ایک خاص اور منفرد شخصیت کے حامل تھے۔ اپنے لندن کے قیام ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۰ء کے دوران ان سے مجھے متعدد بار ملنے کا اتفاق ہوا اور ان کے بے پناہ جذبۂ حب الوطنی تخلیقی استعداد اور ملی جوش و خلوص سے بے حد متاثر ہوا۔

سالہا سال گذرتے گئے تحریک پاکستان پروان چڑھی جس کے چودھری رحمت علی حقیقی معنوں میں بانی مبانی تھے، پاکستان بنا لیکن بناؤ اور بگاڑ کے امتزاج کے باعث قوم حقیقی خدمت گذاروں اور منافقین میں تمیز نہ کر سکی اور خدا پر غلط قسم کے توکل اور ذہنی سہل انگاری کی وجہ سے اب تک تمیز نہیں کر سکی۔ چودھری رحمت علی کو بھی ایسی ہی غلط سہل انگاری کی وجہ سے فراموش کر دیا گیا۔ چالاک اور ہوشیار سیاست دان حقیقی خدمت گذاروں پر بازی لے گئے۔ اور ملک و ملت کو نقصان پہنچا۔

علامہ اقبال اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کا ہر جگہ تذکرہ دیکھا گیا اور اُن کی یادگاریں (جن کے وہ واقعی مستحق تھے) قائم ہوئیں، لیکن چودھری رحمت علیؒ کو جن کا کام بہت کٹھن اور بڑی تاریخی اہمیت کا حامل تھا فراموش کر دیا گیا۔ یہ تاریخ اور حقیقت سے فرار معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک شکر گذار قوم کا خاصّہ نہیں کہ وہ اپنے بے لوث خدمت گذاروں کو فراموش کر دے۔

تحریکِ پاکستان، ماضی، حال، اور مستقبل کی بساط پر، ارتقائے مقاصد کی ایک مسلسل تخلیق ہے اس لئے ضروری ہے کہ حقائق کو سامنے رکھ کر پاکستانی نوجوان نسل کو اِن تین عظیم معمارانِ قوم (اقبالؒ، رحمت علیؒ، اور محمد علی جناحؒ) کے عظیم کارہائے نمایاں سے آگاہ رکھا جائے اور اِن میں نئے مقاصدِ حیات اور نئے کارہائے نمایاں کے سرانجام دینے کے لئے عزم و خروش پیدا کیا جائے۔

عوام میں چودھری رحمت علیؒ سے اس بے خبری کو شدّت سے محسوس کرتے ہوئے، مجلس فلاح و تعلیم رجسٹرڈ کے اراکین نے فیصلہ کیا کہ ایک "چودھری رحمت علی میموریل ٹرسٹ" قائم کیا جائے اور مناسب قطعۂ زمین حاصل کر کے چودھری رحمت علی میموریل ہاسپٹل اور ایک مرکزِ فلاح و بہبود قائم کیا جائے جو خدمتِ خلق اور صدقۂ جاریہ کا مرکز ہو اور چودھری رحمت علی کے نام کو زندہ جاوید رکھے۔

مجلسِ فلاح و تعلیم رجسٹرڈ کی مجلسِ عاملہ کی نشست ستمبر ۱۹۷۷ء میں، چودھری رحمت علی میموریل ٹرسٹ قائم ہو چکا ہے جس کے صدر عزت مآب مسٹر جسٹس چوہدری محمد صدیق صاحب اور جنرل سیکرٹری (راقم الحروف) ڈاکٹر ایس۔ایم۔ کے واسطی ہیں، ٹرسٹ رجسٹرڈ ہو چکا ہے اور اب اس سلسلے میں مزید عملی قدم اٹھائے جا رہے ہیں۔

اس مقدس فرض کی بجا آوری میں سب سے کٹھن مرحلہ یہ تھا کہ چودھری رحمت علیؒ کے واقعاتِ زندگی اور اُن کے کارہائے نمایاں سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ دانستہ یا نادانستہ مسلسل حکومتوں نے کبھی بھی اِن کے تاریخی مقام کو اہمیت نہیں دی اور اگلی نسل کی رہبری کے لئے اُن کی کوئی یادگار قائم نہیں کی۔ اس لئے مجلسِ فلاح و تعلیم نے تحریر ہذا کو ایک فریضہ سمجھ کر پیش کیا ہے اور فریضہ ہی سمجھ کر، عمومی واقفیت کے لئے عوام تک پہنچانے کی سعی کی ہے امید ہے کہ یہ واقفیتِ عامہ میں ایک وسیع خلا کو پُر کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو گی۔

میں، اِن اوراق کی طباعت میں مجلس فلاح و تعلیم کی طرف سے آنسہ روبینہ مشتاق طالبہ ایم۔اے (تاریخ) پنجاب یونیورسٹی کا، شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے چودھری رحمت علی پر اپنے تحقیقی مقالہ سے اہم معلومات بہم پہنچائیں۔ جن کے بغیر ہمارا یہ مقالہ نامکمل رہ جاتا۔ طالبہ موصوف نے اپنے تھیسس پر بڑی جانفشانی سے کام کیا ہے اور چودھری رحمت علی کے متعلق بکھرے ہوئے مواد کو یکجا کر کے اس بطلِ حریت کے صحیح خدوخال

آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر دیئے ہیں۔ تاکہ آئندہ کے مورخ اُن کی عظمت کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔

اُن کا مقالہ بڑی اہمیت کا حامل ہے ہمیشہ اسے بطور ریفرنس اس کا حوالہ دیا جایا کرے گا۔ اور چودھری رحمت علیؒ کی کارگزاری ملی حکومت کے مطالعہ اور تجزیہ میں بہت امداد دے گا۔

(ڈاکٹر) ایس۔ ایم۔ کے واسطی
آنریری جنرل سیکرٹری

رحمت علی میموریل ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
مجلس فلاح و تعلیم (رجسٹرڈ)
1۔ ایڈورڈز روڈ۔ لاہور

نااہل افراد کی ریشہ دوانیوں کے باعث نہ صرف قومی قیادت کے حق سے محروم کئے جاتے ہیں۔ بلکہ غیر معروف بھی رکھے جاتے ہیں۔

اس ضمن میں چوہدری رحمت کی ایک خصوصی مثال ہے۔

انہوں نے ایک فرد کی حیثیت سے اہم کردار ادا کیا۔ بہ حیثیت طالب علم اور بہ حیثیت آزاد فرد انہوں نے تصورِ پاکستان اور تحریک پاکستان کی خدمت کی۔ ان کا ذہن ایک تخلیقی ذہن تھا جس نے اپنی ہر سعی و کاوش اور اپنی تمام زندگی تحریکِ پاکستان کے نام پر وقف کر دی اور کروڑوں افراد کی "ملتِ آوارہ" کو ایک نصب العین اور واضح مقصد کے ساتھ شیرازہ بند کر کے قائدِ اعظم جناح کی قانونی اور سیاسی صلاحیتوں کے لئے میدان ہموار کر دیا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ چودھری رحمت کی بنیادی تیاریوں کے بغیر قائدِ اعظم کے لئے، برطانوی سامراج اور ہندو کی سازشوں اور گٹھ جوڑ کا مقابلہ ناممکن ہوتا۔

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ اس اہمیت اور کردار کے مجاہد کی سوانح عمری آج تک کوئی مورخ مکمل نہ کر سکا۔ اگر اس عظیم خدمت گزار کی طرف ہمارا رویہ مناسب ہوتا تو آج ہم اس کے شایانِ شان اس کا سال مناتے، ملک میں جگہ جگہ ان کی یادگاریں ہوتیں۔ کسی بڑے شہر میں ان کا مزار ہوتا اور اس سے منسلک کوئی نیشنل اکیڈمی آف آرٹس اینڈ سائنس ہوتی، اس عظیم طالب علم کے مزار پر، جس نے تحریکِ پاکستان کی بنیاد رکھی، اگلی نسل شکر گزاری کے جذبے سے ہر سال پھولوں کی چادر چڑھاتی۔ سکولوں اور کالجوں میں نئی نسل کی تربیت کے لئے بزم ہائے رحمت علیؒ کے اجلاس ہوتے، پلوں،

سڑکوں، کالجوں، ہسپتالوں کے نام سے منسوب ہوتے اور ان کے بارے میں ہر بچہ جانتا ہوتا اور یہ علم آئندہ نسلوں کے کردار اور بامقصد زندگی کا ضامن اور مشعلِ راہ بھی ہوتا۔ لیکن چودھری رحمت علی کے لئے اس میں سے کچھ بھی نہیں۔

خاندان

چودھری رحمت علی کے والد صاحب کا نام چودھری شاہ محمد تھا۔ وہ ہوشیار پور (پنجاب) کے گاؤں موہار میں رہتے تھے۔ انتہائی دیندار بزرگ تھے۔ ان کی ملکیتی اراضی کل پندرہ ایکڑ تھی۔ متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والا خاندان اپنی زندگی کے دِن کامیابی کے ساتھ گزار رہا تھا۔ چوہدری شاہ محمد کو گاؤں والے احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انتہائی سادہ مزاج پنجابی گھرانہ تھا۔ چودھری شاہ محمد کی دو بیویاں تھیں۔ دوسری بیوی نے دو لڑکوں کو جنم دیا۔ ان کے نام رحمت علی اور محمد علی رکھے گئے۔ ان کی والدہ وفات پا گئیں تو سوتیلی ماں نے اپنی نگرانی میں لے لیا۔ ان کے دوسرے بھائی چوہدری محمد علی آج کل لائل پور میں رہائش پذیر ہیں۔

پیدائش سے وفات تک

چودھری رحمت علی ۱۶ نومبر ۱۸۹۷ء کو موہار گاؤں تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے جو اب ہندوستان کا علاقہ ہے۔

خان اے۔ احمد نے اپنی کتاب THE FOUNDER OF PAKISTAN THROUGH TRIAL TO TRIUMPH میں بیان

کیا ہے کہ "جب وہ پانچ چھ سال کے تھے کہ ایک درویش آپ کے گھر آئے۔ شاہ محمد گوجر تھے۔ بھینسیں ان کے پاس تھیں۔ انہوں نے درویش کو دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ رحمت علی اپنے باپ کے پاس ہی تھے۔ درویش بڑے غور سے پاس بیٹھے اس بچے کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے لگے پھر اس نے اس بچے میں پوشیدہ تخلیقی صلاحیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تیرا بچہ ایک دن بڑا کارنامہ انجام دے گا۔ اور نام پائے گا۔ اس میں بڑی صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔"

اس بچہ نے ابتدائی تعلیم قصبہ بلوچور کی مسجد میں پائی۔ روزنامہ امروز (۱۹۶۳ء) میں اقبال اسد کے مطابق "چودھری رحمت علی کا خیال تھا کہ ان پر ایک ممتاز عالم دین سید تابع حسین کی شخصیت کا بھی ان کے افکار پر نہایت گہرا اثر ہے۔" بلوچور سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ نہایت ذہین بچہ موضع راہوں کے "ایم۔ بی مڈل سکول" میں داخل ہو گیا۔

G. ALLANA اپنی کتاب OUR FREEDOM FIGHTERS کے صفحہ ۲۰۹ کے مطابق "شاہ محمد کے پاس اتنے ذرائع آمدنی نہ تھے کہ وہ بچے کو اعلیٰ تعلیم دلوا سکتے۔ کیونکہ یہ کوئی بڑا متمول گھرانہ نہیں تھا۔ بلکہ غربت و افلاس کی ایک داستان تھی۔ جو ہر قدم پر اس خاندان کو مجبور کرتی تھی۔ مگر یہ ہوشیار بچہ ان مجبوریوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا حتمی فیصلہ کر چکا تھا۔ چنانچہ اس بچے نے اپنا شوق پورا کرنے کے لئے پیسے جمع کرنے شروع کر دیئے تاکہ وہ مزید تعلیم حاصل کر سکے۔" مڈل پاس کرنے کے بعد یہ ہونہار طالب علم جالندھر چلا گیا اور اس نے اینگلو سنسکرت ہائی سکول سے میٹرک پاس کر لیا۔

۱۹۱۴ء میں چودھری رحمت علی، مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے لاہور آئے جو علم و ادب کا گہوارہ ہے۔ آپ نے اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا جہاں انہوں نے ممتاز اور فاضل اساتذہ سے استفادہ کیا مثلاً پروفیسر ایم اے غنی ایم اے، مولانا اصغر علی روحی، خواجہ دل محمدؒ، سید عبدالقادر، وغیرہ۔

۱۹۱۸ء میں بی اے پاس کرنے تک اِن کی زندگی کا یہ حصّہ بے حد مفید رہا جس میں ماحول کے اثرات، سیاسی حوادث، معاشرتی تغیرات پہلی جنگِ عظیم کے اختتامی عواقب، مسلمانانِ ترکی کی ہزیمت، مسلمانانِ ہند کے اندیشے، ہندوؤں اور برطانیہ کی ناپاک سازشوں نے نوجوان رحمت علی کی شخصیت پر بے حد اثر ڈالا اور انہیں اپنی زندگی کے انتہائی مقاصد اور لائحہ عمل کے انتخاب اور پھر عملی جامہ پہنانے کے عزم کو تعین کرنے میں بے حد مدد دی۔

۱۹۱۵ء میں انہوں نے بزمِ شبلی کی بنیاد رکھی۔ طلباء میں بے حد مقبول ہونے کی وجہ سے وہ کالج کے مجلّہ "کریسنٹ" اور کالج سٹوڈنٹ یونین کے سیکرٹری رہے۔

وہ مولانا محمد علی سے بے حد متاثر تھے اور ۱۹۱۹ء میں تحریکِ خلافت سے ان کی دلچسپی ایک قدرتی امر تھا۔

پھر کچھ عرصہ کے لئے اخبار "کشمیر" سے بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر منسلک رہے۔ اس کے مدیر محمد دین فوق تھے۔ پھر ۱۹۲۲ء تک ایچی سن

کالج میں لیکچرار رہے۔ اور اسی کالج میں مزاری بچوں کے اتالیق مقرر ہوئے اور اسی اسٹیٹ کے مشیر اور سیکرٹری مقرر ہوئے۔ جب مزاری اسٹیٹ کا جھگڑا شروع ہوا تو نواب بہرام خان مزاری کے لیے یہ رفاقت بہت مفید ہوئی۔ آپ کی محنتِ شاقہ سے ۱۹۲۷ء میں جب سٹیٹ بحال ہو گئی تو چودھری صاحب کو ۶۰۰۰ روپے کا معاوضہ ملا جس کی مدد سے بغرضِ اعلیٰ تعلیم انگلستان کا رختِ سفر باندھ سکے۔

ایک سنجیدہ طالب علم ہونے کی وجہ سے اگلے دو تین سال اعلیٰ علوم کی تحصیل میں صرف ہو گئے اور کم سے کم عرصے میں کیمبرج اور ڈبلن سے ایم۔ اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اور ساتھ ہی "لنکن اِن" سے بیرسٹری کی سند حاصل کر لی۔ آپ کے ذہن میں قانون کے علاوہ لسانیات، علوم ثقافت، سیاسیات اور تاریخ کا امتزاج تھا جو وہ حقیقت میں اسلامیہ کالج لاہور کے اساتذہ کرام بالخصوص پروفیسر ایم۔ اے غنی ایم۔ اے، اور خواجہ دل محمد سے اکتساب کیا۔ اسلامیہ کالج میں ہی وہ اردو و انگریزی کے اعلیٰ مقررین میں سے تھے اور اپنا نقطۂ نظر پورے جذبے اور جوش سے لیکن استدلال سے بیان کرتے تھے۔

آپ نے پچھلے پندرہ سال کی المناک قومی تاریخ کے زیرِ اثر ۱۹۳۰ء میں مسلمانوں کے لیے الگ ہوم لینڈ کے لیے نیشنل موومنٹ کی داغ بیل ڈالی۔ اس تحریک کو علامہ اقبال کے ۱۹۳۰ء کے آل انڈیا مسلم لیگ کے صدارتی تقریر سے مزید تقویت ملی۔ اس تقریر میں انہوں نے مسلم

ہوم لینڈ کا تخیل پیش کیا تھا۔ اگرچہ وہ چودھری رحمت علی کی کتاب "اب یا کبھی نہیں" کے مطابق انڈین فیڈریشن کے طور پر ہی پیش کی گئی تھی۔

راؤنڈ ٹیبل کانفرنسیں ۱۹۳۰-۱۹۳۲ء

پہلی جنگِ عظیم کے بعد کی بین الاقوامی سیاسی ناپائداری کے پیشِ نظر برطانیہ قدرتی طور پر ہندوستان جیسے بڑے ملک کو مکمل طور پر غلام نہ رکھ سکتا تھا۔ لیکن اتنی بڑی سلطنت کو ہاتھ سے چھوڑ دینا بھی اس کے لئے آسان نہ تھا۔ ۱۹۳۰ سے ۱۹۳۲ء تک لندن میں انڈین راؤنڈ ٹیبل کانفرنسوں کا زمانہ آیا۔ اور ہندوستان کے مختلف الخیال سیاستدان لندن میں بُلائے گئے۔ علامہ اقبال، محمد علی جناح، سر آغا خان وغیرہم ان میں شامل تھے۔ برطانیہ اپنی بالادستی کو برقرار رکھنا چاہتا تھا دوسری طرف ہندو ہندوستان کا مالک بننا چاہتا تھا لیکن مسلمان کو غلام رکھ کر۔ مسلمان ان دونوں کے چنگل سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔ ہندو نے آزادی کی جد و جہد کے لئے اپنی سیاسی پارٹی کانگریس اور جنگِ آزادی کا پروگرام مہاتما گاندھی کی قیادت میں قائم کیا ہوا تھا۔ مسلمانوں کے پاس ایک مرکز پر جمع ہونے کا کوئی مرکزی فکر و تخیل اور پروگرام اور اظہارِ قوت کے لئے پارٹی تک نہ تھی۔ سیاست دان مختلف "وفاداریوں" میں بٹے ہوئے تھے۔ کوئی انگریزوں کا وفادار تھا۔ کوئی کانگرس کا حاشیہ بردار۔ اپنی قوم کی بات جذباتی

گفتگو اور خالی نعرہ بازی سے آگے نہ بڑھتی تھی - سچ ہے - غلاموں کی طرزِ فکر اور اعمال، غلامانہ ہی ہوتے ہیں - گول میز کانفرنس کے دور میں چوہدری رحمت علی کی اپنی کوششیں ایک غلام مسلمان قوم کی اجتماعی سوچ اور کردار کا ہی حصہ تھیں - سیاسی تجربات کے سلسلے میں یہ تین سال ان کی زندگی میں ہی نہیں، بلکہ مسلم قوم کے لئے بے حد اہم تھے - بغیر منظم سیاسی قوت اور سیاسی جماعت کے محض گفت و شنید سے اپنی سیاسی بقا کے سامان کا اہتمام کرنا اور نتائج کی امید رکھنا ایک موہوم سی بات ہوتی ہے. ایسا وہی قوم کر سکتی ہے جو سیاسی تجربہ نہ رکھتی ہو -

ان راؤنڈ ٹیبل کانفرنسوں میں، ہمارا بڑے سے بڑا آدمی بھی یا تو دوسری جماعتوں کی "وفاداریوں" سے ذاتی طور پر منسلک تھا، یا ذہنی اور نفسیاتی طور پر دوسروں کے لائحہ عمل پر بھکاریوں کی حد تک غلام - سچ ہے غلاموں کے طرزِ فکر اور اعمال سے ہٹ کر سوچنا اور عمل کرنا آسان نہیں ہوتا -

۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء کے لندن کے مذاکرات اس کا بین ثبوت ہیں چوہدری رحمت علی حریت کا علم بلند کئے ہوئے آزادی کی صدائیں دیتے رہے — کانفرنسوں کے تمام مندوبین سے ملاقاتیں کر کے سمجھاتے رہے کہ یہ ایک فیصلہ کن مرحلہ ہے - آزادی کی بات کرو خود نہ کر سکو تو مسلم ہوم لینڈ یعنی پاکستان کی تحریک، کا اُن کے (یعنی رحمت علی کے) نام کے حوالے سے ہی تذکرہ کر دو، لیکن مصلحتوں کا بُرا ہو - کہ بیشتر مسلمان مندوبین نے ملّی اور قومی مستقبل کو،

ذاتی یا گروہی مفادات اور بے بنیاد خوف کی بھینٹ چڑھا دیا۔ جو مندوب ذاتی مفاد میں ملوث نہیں تھے۔ وہ سوچ بچار میں، دوسروں کی ذہنی و نفسیاتی بالادستی قبول کر چکے تھے۔ اس لئے جس مسلم ملت کے وہ نمائندے تھے اس کا کام یقین کامل کے ساتھ کر سکتے تھے۔

دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس ۱۸ جنوری ۱۹۳۳ء کے موقع پر اپنا مشہور اعلان " NOW OR NEVER " " ابھی یا کبھی نہیں" شائع کیا۔ یہ گشتی مراسلہ " ابھی یا کبھی نہیں " " NOW NEVER " ۲۸ جنوری ۱۹۳۳ء کو کیمبرج سے شائع کیا گیا۔ یہ فل سکیپ ۴ صفحوں پر مشتمل تھا اور سائیکلوسٹائل کیا ہوا تھا۔ اور اس پر مندرجہ ذیل چار افراد کے دستخط تھے:۔ محمد اسلم خان خٹک صدر خیبر یونین، عنایت اللہ (چارسدہ) سیکرٹری خیبر یونین، چوہدری رحمت علی اور صاحبزادہ محمد صادق۔ اس میں لفظ پاکستان پہلی دفعہ شائع ہوا اور اس میں پاکستان کے قیام کی تجویز کی تفاصیل پیش کیں۔ اس میں آپ تمام وہ استدلال، جو کہ مسلمانوں کے ملی جذبے کو ایک قوم کا روپ دیتا تھا، بروئے کار لائے اس نے سیاست کے ایوانوں میں تہلکہ مچا دیا۔ کیونکہ مطالبہ یہ کیا گیا، کہ ہندوستان کے شمال مغربی مسلم اکثریتی صوبوں یعنی پنجاب، افغانیہ (صوبہ سرحد)، کشمیر، سندھ اور بلوچستان (جن کے حروف کو ملا کر آپ نے خود پاکستان کا لفظ وضع کیا) پر مشتمل ایک آزاد اور خود مختار مسلم مملکت قائم کی جائے۔ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال اگرچہ الہ آباد میں

مسلم لیگ کے صدارتی خطبے میں چار شمال مغربی صوبوں پر مشتمل ایک صوبے یا ملک کے قیام کی تجویز پیش کر چکے تھے۔ لیکن اس پمفلٹ کے حوالے سے چوہدری رحمت علی کا دعویٰ ہے کہ "پاکستان کا مطالبہ علامہ اقبالؒ کی تجویز سے بنیادی طور مختلف تھا۔ علامہ اقبال کی تجویز تھی۔ کہ ہمارے پانچ مسلم اکثریتی شمالی صوبوں میں سے چار صوبوں کو ملا کر ایک اکائی بنادی جائے اور اسے آل انڈیا فیڈریشن کا جزو رہنے دیا جائے۔ مگر ہم نے ان پانچوں صوبوں کو دفاقِ ہند سے بالکل الگ اور خود مختار ملک ہونے کا مطالبہ کیا ہے۔ اسی پمفلٹ کے آخر میں آپ اس مصمم ارادہ کا اعلان کرتے ہیں۔ کہ ہم نے کوئی غلطی نہیں کی مسئلہ "اب" یا "کبھی نہیں" کا ہے۔ چاہیں ہم زندہ رہیں یا ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائیں۔ اگر ہم اپنے ایمان کے ساتھ زندہ رہیں تو مستقبل ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ہم اسے خود بنا یا تباہ کر سکتے ہیں۔ پچھلی صدی کی تاریخ ہمارے لئے ایک چیلنج ہے۔ وہ اس طرح بنی ہے جیسے کسی ایک متحدہ قوم کو ترتیب دیا جائے۔ شاید یہ ہمارے بارے میں کہا گیا ہوگا۔ ہم نے انہیں بھلا دیا۔ اپنی پرانی قومیت کو ہندوستانی فیڈریشن میں ضم کر دیا اور اپنی اسلامی وراثت کو برصغیر ہند کے لئے تباہ کر دیا۔" مختصراً چوہدری صاحب کا کہنا ہے کہ یہ شمال مغربی صوبے دراصل مسلم ہوم لینڈ تھے۔ اور باقی کا ہندوستان ان کی نوآبادیات کا درجہ رکھتا تھا۔

پچھلی صدی کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ انگریزوں نے ہمارے

ہوم لینڈ اور نو آبادیات کی ہندوستانی فیڈریشن بنانے کی غرض سے ایک پرانی قومیت کو دھوکے سے متحدہ ہندوستان میں ضم کر دیا ہے۔ "اس طرح اسلامی ملی ورثے کو، برصغیر کو متحد رکھنے کے لیے" تباہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن واضح رہے کہ ہم اپنی قومیت بھولے نہیں ہیں۔ ہم مسلمان اپنی ہوم لینڈ کی آزادی لے کر رہیں گے۔ مجھے اعتراف ہے۔ کہ اس جدوجہد میں جانگسل مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اس سرزمین پر ہمارے آباؤ اجداد نے نسبتاً کہیں زیادہ مشکل اور پیچیدہ صورت حال کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ ہمارے لیے یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اور ہمیں علم ہے کہ پاکستان ہمارا مقدر بن چکا ہے۔"

پچھلی صدی کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ انگریزوں نے ہمارے ہوم لینڈ اور اس کی کالونی کو ہندوستانی فیڈریشن (متحدہ ہندوستان) بنانے کی غرض سے دھوکے کے ساتھ مدغم کر دیا ہے اور یہ بات ہم کبھی بھلا نہیں سکتے اور اسلامی ملی ورثہ کو برصغیر کو متحد رکھنے کی کوششوں میں تباہ کر دیا۔ لیکن واضح رہے کہ ہم اپنی قومیت کو بھولے نہیں ہیں۔

یہ تھا وہ مرحلہ جہاں چوہدری رحمت علی نے سر دھڑ کی بازی لگا دی کہ کسی طرح کانفرنس کی میز پر ایک "ملتِ آوارہ" کو ایک

ہوم لینڈ کی مرکزیت اور شیرازہ بندی نصیب ہو جائے۔ لیکن مسلم مندوبین سے وہ بے حد دل شکستہ تھے۔ کسی نے بھی کانفرنس کے دوران پاکستان یا "مسلم ہوم لینڈ" کا نام نہ لیا۔

۱۹۳۳ء کے بعد اور راؤنڈ ٹیبل کانفرنسوں کے تجربات سے نا اُمید ہو کر، چوہدری رحمت علی مسلم نیشنل ہوم لینڈ کے اپنے تخیل کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خود ہی کمر بستہ ہو گئے۔ اور اسی سال یعنی ۱۹۳۳ء میں پاکستان نیشنل موومنٹ کی بنیاد رکھی۔ جس کے وہ خود صدر تھے۔ اس کے کوئی ایک درجن سے زیادہ رکن کبھی نہ بنے۔ اگرچہ آگے چل کر کروڑوں کی قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ آپ انگریزی اور اُردو میں بہت اچھی تقریر کر سکتے تھے۔ اور صداقت سے جوش میں آ کر بپھر جاتے تھے۔ استدلال اور منطق میں کبھی ہار نہ مانتے تھے۔ ہندو اور انگریزوں کا تو کیا ذکر ہے۔ خود مسلمان سیاست دان بھی ان کی بے پناہ تنقید سے نہ بچ سکتے تھے۔ جن کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ ایک غلام قوم کی حد تک پہنچ گئی تھی۔

اس عرصہ میں آپ نے نوجوان طلبا اور ہندوستان کے سرکردہ لیڈروں سے تعلقات قائم رکھے اور ان سے خط و کتابت جاری رکھی۔ جلسوں اور مذاکرات میں اکثر شریک ہوئے۔ اخبارات اور رسائل کے ایڈیٹروں اور رپورٹر حضرات سے رسائی حاصل کی۔ نیشنل مسلم

ہوم لینڈ کے عنوان سے پمفلٹ چھاپ کر بذاتِ خود اور اپنے دوستوں کے تعاون سے برطانوی پارلیمنٹ کے ممبران میں تقسیم کیے۔ ان کے اپنے مضامین کینیڈا۔ امریکہ۔ جرمنی۔ اٹلی اور جاپان وغیرہ کے اخبارات میں شائع ہوئے۔ نیز ان ممالک کے اخباری نمائندوں کو انٹرویو دے کر پاکستان کے متعلق ان اخبارات میں مضامین نکلوائے۔ مختصر یہ کہ ہر وہ طریقہ کار استعمال کیا۔ جس سے پاکستان کے تخیل کی شہرت دور دور تک پھیلائی جا سکتی تھی۔

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے مندوبین کے نزدیک یہ مطالبہ ایک طالب علم کی خواب سے زیادہ حقیقت نہ رکھتا تھا۔ اور شاید شروع شروع میں اس سے زیادہ حیثیت اختیار کر بھی نہ سکا۔ لیکن جرمنی میں ہٹلر کے عروج کی وجہ سے بین الاقوامی حالات بگڑ رہے تھے۔ خود ہندوستان میں آزادی کی تحریک کی وجہ سے حالات تیزی سے خراب تر ہوتے جا رہے تھے، اور مسلمانانِ ہند کے سامنے چوہدری رحمت علی کے تصورِ پاکستان کے سوا کوئی مستقبل کا نصب العین نہ تھا۔

آپ نے ۱۹۳۴ء میں ترک ادیبہ محترمہ خالدہ ادیب خانم سے لندن اور پیرس میں ملاقاتیں کیں۔ اس خاتون نے اپنے تاثرات کو اپنی کتاب اِن سائیڈ انڈیا (INSIDE INDIA) مطبوعہ لندن ۱۹۳۷ء کے صفحہ نمبر ۳۵۲ پر اس طرح تحریر کیا ہے:۔

"یہ فیصلہ کرنا بڑا دِقت طلب ہے کہ کیا "تحریک پاکستان"

ہندو مسلم نزاع کو ختم کر سکے گی مگر موجودہ ہندوستان کے
طالب علم کو یہ مسئلہ پیشِ نظر رکھنا پڑے گا۔ کیونکہ جن قوموں
نے دو قوموں کا نظریہ بلند کر رکھا ہے انہیں نظر انداز نہیں کیا
جا سکتا۔"

ایک غیر ملکی تبصرہ نگار کے یہ خیالات ثابت کرتے ہیں کہ چوہدری
رحمت علی حقیقت حال کے کس قدر قریب تھے۔ ۱۹۳۶ء میں جب خالدہ
ادیب خانم جو ایک مشہور و معروف ترک جرنلسٹ تھیں، نے چوہدری رحمت علی
سے ملاقات کی تو آپ کی عمر ۳۵ برس سے زائد نہ تھی۔ اور زیادہ پختہ کار ہونے
کی وجہ سے کسی صورت میں محض قیاس آرائیوں پر مطمئن نہ ہو سکتے تھے۔
اب ان کا مسلم ہوم لینڈ کا تخیل ایک محکم یقین اور عزم راسخ میں تبدیل
ہو چکا تھا۔ اور میدانِ عمل میں پامردی سے ہر مصیبت کے لئے سینہ سپر
تھا۔ چوہدری رحمت علی نے اِنسائیڈ انڈیا میں پاکستان موومنٹ کے تمام
منطقی مبادیات وضاحت سے بیان کئے ہیں اور ثابت کیا ہے۔ کہ یہ شمال
مغربی پانچ صوبے مسلم ہوم لینڈ تھے۔ اور باقی ہندوستان اس کے نوآبادیات
کی حیثیت رکھتا تھا۔ انگریزوں نے ملک پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں کے
ہوم لینڈ اور اس کی نوآبادی کو محض متصل ہونے کے سبب یکجا کر دیا۔ اور
یونائیٹڈ انڈیا کا ڈھونگ کھڑا کر دیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں پاکستانی مسلمان
ہندوستانی قوم کی اقلیت بن کر رہ جائیں گے اور ہندوؤں کی متعصب اور
غیر جمہوری مذہبی برتری کا شکار ہو جائیں گے۔ پاکستانی قوم کے وجود کے

لہٰذا سیاسی خطرے نے چوہدری رحمت علی کو نیشنل ہوم لینڈ کے نظریہ پر مجبور کیا۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں انگریزوں اور ہندوؤں کے باہمی گٹھ جوڑ کی وجہ سے یہ مطالبہ مسترد کر دیا گیا۔ انہوں نے پھر بھی کہا کہ ہم نے تادمِ آخر جد و جہد جاری رکھنے کا عزم کر رکھا ہے۔

خالدہ ادیب خانم کے انٹرویو سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان کا رابطہ پاکستان کے بڑے بڑے لیڈروں اور جرنلسٹوں سے تھا۔ وہ خود بھی ہفت روزہ رسالہ پاکستان شائع کرتے تھے۔ اور اس طرح ہر ممکن طریقے سے ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ بیرون ہند بھی تحریک کو روشناس کرنے کے لئے ہر ممکن طریقے سے کوشاں رہتے تھے۔

اپنی مالی مشکلات کے باوجود انہوں نے اپنی توقعات مستقبل سے وابستہ کر رکھی تھیں۔ ان کا اپنا نصب العین ہی آگے چل کر ان کی ملّت کا مقدر بن گیا۔

۱۹۳۸ء کے قریب جب ان کے رفقاء میں خواجہ عبدالرحیم، ایم انور بار ایٹ لا اور پروفیسر سید جمیل واسطی ایسے بہت سے حضرات شامل ہو گئے تو انہوں نے اپنے تصور کے ملک کا نام بھی رکھا۔ اس کے لئے تحریک بھی چلائی۔ اس کا نقشہ بھی بنایا۔ اس کا ایک جھنڈا بھی تیار کیا۔ لیکن جانے کیا بات تھی یا تجاہل عارفانہ یا دانستہ حقائق سے فرار کہ سیاست کے ذمہ دار حضرات ان کی بات کو نہ سمجھ سکے۔ یا طالب علم ہونے کے سبب ان کی تجویز کو اہم نہ سمجھا حالانکہ طالب علم بھی تو قوم کا سرمایہ ہی ہوتا ہے۔

سنہ ۱۹۳۵ء میں پاکستان نیشنل لبریشن موومنٹ کی طرف سے کتابچہ "پاکستان" تقسیم کیا گیا۔ اس پر رحمت علی کے بحیثیت صدر دستخط تھے اور اس طرح پنجاب اور شمال مغربی ہندوستانی علاقوں میں آزادی کا جذبہ بیدار اور تیز تر ہوا۔ سنہ ۱۹۳۷ء میں شمال مغربی ہند میں پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن قائم کر دی گئی۔ جس نے آگے چل کر مسلم لیگ کی قرارداد پاکستان ۱۹۴۰ء اور پاکستان کی تحریک آزادی میں ہراول دستے کا کام کیا۔

سنہ ۱۹۳۸ء میں مانچسٹر گارڈین میں پروفیسر جمیل واسطی نے اپنے فرزند رضوان الحسن کے نام سے ایک خط لکھا کیونکہ اس وقت وہ خود سرکاری ملازم تھے۔ جس میں مطالبہ کیا ہوا تھا کہ شمال مشرقی مسلم اکثریتی علاقوں بنگال آسام کو یکجا کر کے بنسام کے نام سے مملکت قائم کی جائے۔ یہ تجویز خود پاکستان کی تجویز کا ایک منطقی نتیجہ تھی۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں۔ کہ چوہدری رحمت علی نے "THE MILAT OF ISLAM AND THE MENACE OF INDIANISM" شائع کیا۔ جس میں بنگال آسام کے علاقوں کی آزادی اور حیدر آباد دکن کو آزاد ریاست بنانے کا مطالبہ پیش کیا۔

چوہدری رحمت علی کا بنیادی نقطہ نظر یہ تھا۔ کہ مستقل غیر جمہوری ہندو اکثریت سے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ آزاد کیا جائے۔ کیونکہ ثقافتی لحاظ سے ہندو سخت تنگ دل لوگ ہیں۔ اور کسی کے جائز حقوق ادا کرنے

ایک سرے سے تسلیم کرنے کے لئے بھی فراخدلی نہیں رکھتے - اپنے سوا دوسروں سے شودروں کے درجے کا سلوک کرتے ہیں - دیگر یہ کہ ہندوستان کبھی بھی ایک ملک نہیں رہا - یہ ایک براعظم ہے جو کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا مجموعہ ہے - اسی براعظم میں مسلمان بھی کئی چھوٹی چھوٹی راجدھانیوں میں بس رہے تھے - اور تمام دنیا کے ممالک کی طرح ان کی خوداختیاری بھی محل نظر تھی - اس خطرہ کے انسداد کے لئے انہوں نے ایک "پاک کامن ویلتھ آف مسلم نیشنز" یعنی مسلم اقوام کی دولتِ مشترکہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی - اور اپنے پمفلٹ "THE MILLAT AND HER TEN NATIONS" میں اسی مضمون کو موضوع بنایا - اس میں وہ رقم طراز ہیں -

میں مسلم لیگ کی حماقت دکھاتا ہوں کہتے ہیں کہ "مسلمانوں اور ہندوؤں کا مشترکہ مادرِ وطن ہے - میں نے انہیں ان کی سب سے بڑی غلطی دکھائی جو ان کی انڈینزم کو بہتر بنانے کے لئے تھی - میں نے کچھ اساسی تبدیلیاں چاہیں اور اپنے مقصد کے لئے انڈیا کو "دینیہ" میں الٹ کر "آل انڈیا" کو قائم رکھنے کے لئے انڈیا نائز کو دینیہ نائز میں تبدیل کر دیا - " یعنی جب ہندو قوم آزاد ہو تو مسلم قوم کو بھی آزادی کا حق ہونا چاہیئے - کیونکہ تاریخ میں ہندوستان کبھی بھی متحد نہیں رہا -

چوہدری رحمت علی حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے ۱۹۴۰ء میں

برصغیر آئے۔ ۸ر مارچ ۱۹۴۰ء کو آپ نے کراچی میں مجلس کبیر سے خطاب کیا اور پاکستان کے اساسی استدلال اور مسلمانوں کے مقدر کے تقاضوں کی وضاحت کی۔ اُن کی پچھلے دس بارہ سال محنت شاقہ کی وجہ سے انہیں بے خوابی کا پرانا عارضہ لاحق تھا۔ ذہنی کاوشوں، اَن تھک کوششوں، اور تحریک پاکستان کی لامتناہی ذمہ داریوں کا بوجھ اس وقت ان کی اکیلی جان پر تھا۔ دل شکن حد تک وسائل کی کمی تھی۔ صرف پاکستانی نصب العین پر یقین اور اس کے حصول کا عزم انہیں زندہ رکھے ہوئے تھا۔ خدائے برتر کا احسان ہے کہ ان کی آواز قوم کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔ شہر شہر قریہ قریہ پاکستان زندہ باد کی صدا گونج اُٹھی۔ کروڑوں افراد سڑکوں پر نکل آئے۔ اب رحمت علی کے دیئے ہوئے لفظِ پاکستان کا ذکر ہر بڑے چھوٹے کی زبان پر تھا۔ اور ستم ظریفی دیکھئے کہ وہی محمد علی جناح جو چند سال قبل چوہدری رحمت علی پر دشمنوں کے ہاتھوں کھیلنے کا الزام لگاتے تھے اور پاکستان کے نام سے نامانوس تھے۔ وہی محمد علی جناح اب رحمت علی کی کروڑوں کی جمعیت کے سربراہ تھے۔

اس وسیع عالمگیر تحریک کے نتیجے کے طور پر ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے لاہور میں علیحدہ وطن کے مطالبے کی بنا پر قرار دادِ پاکستان منظور کی۔ اس دُور رس فیصلہ تک پہنچنے کے لئے مسلمانوں تمام اکثریتی اور اقلیتی صوبوں کو شریک ہونا تھا۔ اور تمام ملت کو ایک مرکزی خیال ایک تصور اور ایک ثقافتی وحدت میں منسلک ہونے کی تیاری اکثر و بیشتر چوہدری

رحمت علی اور ان کے چند ایک رفقاء کے مرہونِ منت تھی ۔ اسی مرحلہ پر قائدِ اعظم نے نئے حالات میں قوم کی باگ ڈور سنبھالی ۔ قوم کو ذہنی ۔ سیاسی اور جذباتی طور پر تیار کرنے کا اہتمام چوہدری رحمت علی نے تکمیل و کمال کی حد تک کیا ہوا تھا ۔ محمد علی جناح نے رحمت علی کے دیئے ہوئے تخیل اور تصورِ پاکستان پر اساس رکھتے ہوئے اپنے عقل و دانش اور بے پناہ فہم و ادراک سے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو انہی کا حصہ تھے ۔ چوہدری رحمت علی کی سکیم اور سکیم کی حمایت کرنے والے کروڑوں مسلمانوں کی قوم محمد علی کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی ۔ اور ان کی کاوشوں کو کامیاب ہونے کی ضمانت بن گئے ۔ اب قیادت محمد علی جناح کے ہاتھ میں تھی ۔ اور انہوں نے جس قابلیت سے اُسے نبھایا ۔ وہ اب تاریخ کا ایک مسلمہ حصہ بن چکی ہے ۔ (مشرقی اور مغربی) پاکستان آخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء میں ایک مملکت کی شکل میں دنیا کی پانچویں بڑی ریاست کی صورت میں دنیا کے نقشے پر ظاہر ہوا ۔

چوہدری رحمت علی پاکستان بننے کے بعد

پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۸ء میں قیام پاکستان کے بعد اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھنے کے لئے پاکستان آئے ۔ پاکستان کی سرحدوں کو متعین کرنے

میں ریڈ کلف ایوارڈ میں مسلمانوں کے ساتھ سخت بے انصافی کی گئی تھی۔ اور انگریز ہر لحاظ سے ایک ٹوٹا پھوٹا پاکستان سے زیادہ نہ دینا چاہتا تھا۔ ادھر مسلمان لیڈر شپ نے نہ کبھی اتنی دولت دیکھی تھی۔ اور نہ اسے اتنی طاقت کا احساس اور تجربہ ہوا تھا۔ ہر چھوٹا بڑا مہاجر اور انصار، متروکہ املاک کی لوٹ کھسوٹ میں لگ گیا۔ تمام اخلاق اور شرافت کو بالائے طاق رکھ دیا۔ ہزار سالہ پرانی ثقافتی قدروں کو مٹی میں ملا دیا۔ چوہدری رحمت علی نے آتے ہی ارباب اقتدار اور اکابرین ملت سے ملاقاتیں بھی کیں اور عظیم تر پاکستان کے لئے تحریکیں چلانے کے ارادے بھی ظاہر کئے، لیکن اس لوٹ کھسوٹ کے ماحول میں ان کی عزت افزائی نہیں ہوئی۔ وہ لاہور میں ڈاکٹر یار محمد مرحوم کے پاس قیام پذیر ہوئے۔ انہی ایام میں میاں محمد شفیع (م۔ش) نے ان کا انٹرویو لیا جو ان دنوں پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹوریل سٹاف میں شامل تھے، یہ انقلاب آفریں انٹرویو نہ صرف پاکستان ٹائمز بلکہ دوسرے اخبارات میں بھی چھپا۔ بھارتی حکومت نے اس پر احتجاج کیا۔ اپنی حکومت اس کی تعریف تو کیا کرتی اس کی حمایت بھی نہ کی جس سے وہ دل برداشتہ ہو گئے۔ ایک ایسے فرد کے ساتھ جو بساطِ عالم پر ایک عظیم الشان تحریک کا بانی مبانی تھا ایسا سلوک ہو تو انجام کار یہی ہوتا ہے۔

وہ بے خوابی اور دمہ کے پرانے مریض تھے۔ معالجوں نے کراچی جانے

ہے کہ حکومتِ وقت ان کے جسدِ خاکی کو (جو دیارِ غیر میں بطور امانت دفن ہے) کیمبرج سے لاکر لاہور میں کسی موزوں مقام پر مثلاً مینارِ پاکستان کے قریب دفن کرنے کا اہتمام کرے۔ اس کے ساتھ ہی عوامی افادیت کے لئے ایک وسیع قومی لائبریری، ریڈنگ روم، لیکچر تھیٹر۔ میوزیم اور نیشنل اکیڈیمی کا اہتمام ہو۔

چوہدری رحمت علی کی سالانہ یادگار سرکاری طور پر منانے کا اہتمام ہونا چاہیئے تاکہ نئی نسل اپنے محسنوں یعنی جناح۔ اقبال۔ رحمت علی کی کاوشوں سے آگاہ ہو سکے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کا فخر محسوس کرے۔

اقبالؒ۔ رحمت علیؒ۔ جناحؒ

خدائے تعالیٰ کا احسان ہے۔ کہ اس نے مسلمان قوم کو اپنی رحمتوں میں سے، ان تین عظیم ہستیوں سے سرفراز کیا، جنہوں نے اس گئے گذرے زمانے میں ہماری لاج رکھ لی۔ ان کے علاوہ اور بھی بڑی بڑی عظیم ہستیاں منصۂ شہود پر آئیں، مثلاً مولانا ظفر علی، بہادر یار جنگ، فضل حق وغیرہ جنہوں نے اپنے عمل پیہم اور بے پناہ ملّی جذبات سے کشتِ ملّت کی آبیاری کی، جنہیں بیان کرنا اس کتابچہ کا موضوع نہیں ہے۔

ہر منصوبہ (PROJECT) تین مراحل سے گذرتا ہے۔

اوّل: بنیادی تخیل۔ **دوم**: قابلِ عمل سکیم جو الفاظ میں بیان کی جائے اور ضبط تحریر میں لائی جائے وہ اپنے حق میں کافی دلائل کا شافی جواب دے سکے نیز سکیم عملی جامہ پہننے میں قابلِ عمل ہو۔

سوم: وسائل کی فراہمی اور سکیم کو منصۂ شہود پر لانے اور زندہ

رکھنے کے لئے ٹھوس عمل ——— ان تین مرحلوں کے بغیر کسی منصوبہ کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

تحریک پاکستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتی تھی مثلاً:-

(اوّل) اقبالؒ ——— جب مسلمان ملّت پر مایوسی کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ لیڈرانِ کرام کو یہ سوجھتا ہی نہ تھا کہ متحدہ ہندوستان میں ہندو اکثریت پارٹی ہندو مذہب کی وجہ سے ہمیشہ اکثریت میں رہے گی اور مسلمان ہمیشہ کے لئے اقلیت بن جائیں گے۔ وہ اقلیت میں ہوتے ہوئے ہندو اکثریت کا کیسے مقابلہ کریں گے ——— مذہب اور مسلمان کے بقا کے مسئلے کا ممکن حل سب سے پہلے عظیم لیڈروں میں سے علامہ اقبالؒ نے ہی سوچا اور شمال مغربی اکثریت کے علاقوں کو مسلم ہوم لینڈ کے طور پر علیحدہ انفرادیت دینا تجویز کیا۔ یہ جرأت مندانہ تخیل ایک شاعر کا تخیل نہ تھا بلکہ ایک لاینحل مسئلہ کا ممکنہ حل تھا۔ جس کی کئی مثالیں تاریخ عالم سے دی جاسکتی ہیں۔

(دوئم) رحمت علیؒ ——— دوسرے مرحلہ پر چوہدری رحمت علیؒ نے اس شاعرانہ تخیل کو ایک بہتر اور زیادہ قابلِ قبول سکیم کا نقشہ دیا۔ اور علامہ اقبال کی اس تجویز کو (مسلم ہوم لینڈ انڈین فیڈریشن کا حصہ ہو) یہ شکل دی کہ یہ

خود مختار ریاست ہو۔ اور جمہوریت پر مبنی ہو۔ چوہدری رحمت علیؒ نے اس کا نام پاکستان تجویز کیا۔ لفظ "پاکستان" انہی پانچ شمال مغربی صوبوں کے حروف سے وضع کردہ ہے۔ اب ہزاروں جلسوں جلوسوں میں یہ لفظ مسلمانوں کا تکیہ کلام ہو کر ان کی ماضی کا ماحصل اور مستقبل کا نصب العین بن گیا۔

چوہدری رحمت علیؒ نے قطب الدین ایبک کے زمانہ سے مغلیہ حکومت کے اواخر تک مسلمانوں کے زیرِ نگیں شمال مغربی علاقوں کو مسلم ہوم لینڈ کی تاریخی حقیقت کے طور پر پیش کیا۔ نہ صرف اس کے حق میں دلائل دیئے۔ بلکہ اس کے مخالف دلائل کا شافی جواب بھی دیا۔ یہاں وہ مسلمان قوم کے نہ دبنے والے وکیل نظر آتے ہیں۔ جو اپنے صحیح موقف سے ہٹ کر کبھی مصالحت کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ بالخصوص جبکہ آزاد متحدہ ہندوستان میں مستقل ہندو اکثریت کے تحت مستقل مسلمان اقلیت کا خطرہ نظر آ رہا تھا۔

چوہدری رحمت علی نے پورے جوشِ ایمان سے، اس تخیل کو سکیم کا روپ دیا اور سکیم کو تحریکِ پاکستان کی شکل دے کر کروڑوں مسلمانوں میں ایک نصب العین کے حصول کی تڑپ پیدا کر دی۔ اور پھر دنیا میں پاکستان کا نام پھیلا دیا۔ جس کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان جذباتیت اور مایوسی کے بجائے ایک

مثبت تحریک سے منسلک ہو گئے۔ مایوسی کی جگہ ٹھوس پروگرام اور واضح عمل نے لے لی۔ اور ایک جامع نکتۂ ماسکہ (FOCUS) یعنی پاکستان کے حصول پر "ملّتِ آوارہ" کی شیرازہ بندی ہو گئی۔ ذہن سے پراگندگی چھٹ گئی اور واضح نصب العین نے، عمل و سعی کو بروئے کار لاکر، ایک مثبت کردار کے لئے قوم کو تیار کر دیا۔ کیونکہ، تخیل کا مضبوط اور یقین کا محکم ہونا ہی، ٹھوس عمل و کردار اور اچھے نتائج کی ضمانت دے سکتا ہے۔ یہاں چوہدری رحمت علی نے ایک پختہ کار مورّخ اور نظریات کے ایک ماہر (THEORETICIAN) کا کردار ادا کیا۔ اور تحریک پاکستان کا عملی کام نہایت عمدگی سے ادا کیا۔ ان کی تحریک اس قدر سریع الاثر تھی۔ کہ دیکھتے ہی دیکھتے تمام ملتِ اسلامیہ یوں بیدار ہو گئی جیسے برقی ارتعاش کی زد میں آ گئی ہو۔ دوست دشمن حیران رہ گئے۔ قوم مجمد و سبیت کے عالم میں ایک نقطۂ ماسکہ پر کشش ثقل کی طرح کھنچی جا رہی تھی۔ لیکن سابقہ سوئی ہوئی قوم کی بجائے، بدلی ہوئی بیدار قوم۔ جو ایک نئی تحریک، ایک نئی سیاسی جماعت اور نئی قیادت کا مطالبہ کرتی تھی۔ اس مرحلہ پر قیادت رحمت علیؒ سے قائداعظم محمد علی جناحؒ کے مبارک ہاتھوں میں منتقل ہوتی ہے۔ اب آل انڈیا مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت ٹھہری۔

(سوئم) قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ ——— بیسویں صدی کے اوائل میں لینن نے لندن سے کمیونسٹ تحریک کو چلایا۔ لیکن وقت آنے پر روس میں اپنی ہی پارٹی کی سربراہی کے لئے ماسکو پہنچ گیا لیکن چوہدری رحمت علی کی کوئی پولیٹیکل پارٹی نہ تھی۔ تحریکِ پاکستان کے تخیل کو اپنا کر اس مرحلہ پر قائدِ اعظم نے عظیم کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ قارئین دیکھیں کہ جس طرح مایوسی بھرے ماحول میں مسلم ہوم لینڈ کا تخیل برسوں ایک شاعرانہ خواب اور ایک مجذوب کی بڑ محسوس ہوتا رہا۔ اس کی شنوائی ہوئی۔ قدرت نے یہ کام انہیں سے لینا تھا۔ اسی طرح پاکستان کا تخیل و منصوبہ اور اس ہوم لینڈ کو ایک پیکر محسوس کی سکیم دینا۔ اس کا ایک نام وضع کرنا، اس کو منصۂ شہود پر لانے پر استدلال کرنا اور مخالف کا منہ توڑ جواب دینا اور چار دانگ عالم میں اور خود ملک و ملت میں ایک وسیع و عریض تحریک بساطِ تاریخ پر لانا یہ سارا جاں گسل کام چوہدری رحمت علیؒ کا ہی حصہ تھا۔ نہ ان کے عظیم پیش رو اقبالؒ کا کام تھا اور نہ ہی زعیم پاکستان محمد علی جناحؒ کا۔

اب تحریک پاکستان اس مقام پر پہنچی تھی کہ قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ، رحمت علیؒ کے مضبوط شانوں پر کھڑے ہو کر آخری مرحلے یعنی پاکستان کی فصیل کو سر کرنے کے عمل میں آخری

جست لگانے میں منہمک ہو گئے اور وہ کام قدرت نے اُن سے لیا جس کا جواب نہیں۔ قائدِ اعظمؒ ایسے مردِ زعیم نے ہماری تاریخ کا ایک ایسا باب لکھا جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ان کی ہمالیہ پہاڑ جیسی عظیم شخصیت نے اقبالؒ اور رحمت علیؒ کے اٹھتے ہوئے قدموں کو آخری منزل یعنی پاکستان کے حصول تک پہنچایا۔

راقم الحروف نے تینوں زعماء میں مندرجہ ذیل خصائص ملاحظہ کئے ہیں :۔

(الف) یہ تینوں زعماء علم و فضیلت کے اکتساب میں اعلیٰ مقام تک پہنچے ہوئے تھے۔

(ب) یہ تینوں زعماء کردار، شخصیت اور اخلاقی بلندیوں کی اعلیٰ مثال تھے۔

(پ) ان تینوں زعماء کی سوانح حیات ظاہر کرتی ہے۔ کہ وہ وقت کے ضیاع سے اجتناب کرتے تھے۔ اور محنت و مشقت ان کا شیوہ تھا۔

(ت) تینوں نے نہایت غور و خوض سے اپنا مقصدِ حیات اور نصب العین انتخاب کر کے تمام ذہنی نفسانی۔ جسمانی وسائل ان کے حصول میں لگا دیئے۔

یہ خصائص تمام نوجوانوں کو
بھی اپنا لینے چاہئیں - بے مقصد
آدمی ایسا ہوتا ہے جیسے بغیر
ناخدا کے کشتی -

تحریک پاکستان

تاریخ کے آئینہ میں

اس موضوع پر اظہارِ خیال کرنے سے قبل ضروری ہے، کہ ہم مسلمانوں اور ہندوؤں کے تعلقات اور اُن کے نفسیاتی اور فکری انداز کا تجزیہ کریں تاکہ تحریک پاکستان کا پس منظر واضح ہو جائے جس سے پاکستان کی نئی نسل یکسر ناواقف ہے۔

ملک کے مشہور کالم نگار میاں عبدالرشید اپنے کالم "نورِ بصیرت" کے تحت "نوائے وقت" مورخہ ۲۱-۲۲ اپریل ۱۹۶۸ء میں رقمطراز ہیں:

"جب سے اسلام اس برِ عظیم میں آیا ہے، ہندو مت سے اس کی کشمکش جاری ہے۔ ہندو مت مختلف اور متضاد عقائد کا مجموعہ ہے۔ اس میں اللہ کے ماننے والے بھی ہیں اور اللہ سے انکار کرنے والے بھی۔ موحد بھی ہیں اور بُت پرست بھی۔ سُورج، آگ اور سانپ وغیرہ کے پجاری بھی ہیں اور ہر قسم کی عبادت سے انکاری بھی۔ ہندو تہذیب مختلف تہذیبوں کا مدفن ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ دنیا مایا یا فریب ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام کائنات کو تخلیق بالحق یعنی حقیقی اور بامقصد قرار دیتا ہے اسلام ایک خدائے واحد کا قائل ہے اور اس کے ساتھ کسی قسم کے شرک کو برداشت نہیں کرتا۔ اسلامی تہذیب، توحید، اخوتِ انسانی اور عدل پر

مبنی ہے۔ اسلام زندگی سے گریز نہیں بلکہ اس کا مقابلہ کرنا سکھاتا ہے۔ اسلامی انداز مثبت اور جاندار ہے، جب کہ ہندومت کا انداز منفی اور فرار ہے۔

ہندومت نے اسلام کو بھی اپنے اندر سمونا چاہا تاکہ اسے بے دست و پا کر سکے۔ اور اس کے لئے باری باری دو مختلف طریقے اختیار کئے۔ کبھی یہ کہا کہ رام اور رحیم ایک ہیں۔ مذہبی جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ بھگتی تحریکیں، راجہ رام موہن رائے اور مہاتما گاندھی نے یہی انداز اختیار کیا اور کبھی جب اس کے ہاتھ میں قوت آئی، اس نے مسلمانوں کو ظلم و تشدد سے ملیامیٹ کرنے کی ٹھانی۔ علاؤالدین خلجی کا ہندو غلام خسرو خاں، مرہٹے، سکھ اور آزادی پہلے اور بعد کی کانگرس حکومتیں دوسرے طرزِ عمل کی مثالیں ہیں۔ ایک بنگالی ہندو نراد سی چودھری اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں: "میں اپنی قوم کے سوائے کسی اور ایسی قوم سے واقف نہیں جو اپنے ماضی کے چنگل میں اس طرح جکڑی ہو اور پھر اپنے ماضی سے سبق حاصل کرنے کی بھی نااہل ہو..... مجھے ہندومت زمانے کے بہاؤ کے خلاف تیرتا ہوا نظر آتا ہے ..... ہمارا وجود ممی شدہ ہے اور ہماری بقا فریب محض ہے۔"

جب سے مسلمانوں کی حکومت اس برِ عظیم سے ختم ہوئی ہے۔ ہندومت نے دوبارہ مسلمانوں کو اپنے اندر ضم کرنے کا خواب دیکھنا شروع کیا ہے۔ مغربی جمہوریت اور مغربی تصورِ قومیت نے انہیں ایسے جدید ہتھیار مہیا کئے جن کے پردے میں وہ اپنی فرسودگی اور رجعت پسندی کو چھپا سکتے تھے اور اپنی قدامت پرستی کو ماڈرن ازم کا لبادہ دے سکتے تھے۔ چونکہ ہندو کائنات کو مایا

یا فریب سمجھتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک دھوکا فریب، قول سے پھر جانا، معمولی باتیں ہیں۔ بقول

نراد چوہدری "ہندو معاشرے کو اخلاقی مسائل کا شعور ہی نہیں"۔
چونکہ ان میں بت پرستی عام ہے اس لئے پہلے وہ خود ایک جھوٹ گھڑتے ہیں۔ پھر اسے سچ سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر اس کے اردگرد تقدس کا ہالہ بناتے ہیں اور جو اسے نہ مانے اس کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیتے ہیں۔ جھوٹا پروپیگنڈہ ان کی فطرتِ ثانی بن چکا ہے۔ قائدِ اعظمؒ کے الفاظ میں "اگر تم ہندو کے سامنے جھکنے سے یا اس سے دھوکا کھانے سے انکار کر دو تو وہ تمہیں گالی دے گا"۔ بطور ایک برطانوی مصنف "ہندو روئے گا۔ چیخے چلائے گا۔ رشوت دے گا اور تم پھر بھی اس کی بات نہ مانو تو تمہیں دھمکی دے گا۔" قائدِ اعظمؒ نے ان کی سیاست کو "بلیک میل" اور "فراڈ" کہا تھا۔

سرسید احمد خان سے لے کر قائدِ اعظمؒ محمد علی جناح تک اور پاکستان بننے کے بعد مرحوم لیاقت علی سے ایوب خان مرحوم تک، کوئی ایسا مسلمان سیاستدان نہیں جس نے ہندوؤں سے باعزت سمجھوتہ کرنے کی کوشش نہ کی ہو اور منہ کی نہ کھائی ہو۔ اس کی وجہ ان کا کائنات کو مایا یا فریب سمجھنے کا نظریہ ہے۔ جب ساری کائنات ہی فریب ہے تو پھر دوسروں کو فریب دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اپنے پختہ عہد سے بڑی آسانی سے پھر جاتے ہیں۔ عہد نامہ کی شرائط کو من مانے معانی پہنا لیتے ہیں۔ گاندھی جی ساری عمر یہی کرتے رہے۔ اور یہی کچھ

پنڈت جواہر لال نہرو نے آزادی سے پہلے اور بعد میں کیا۔"

دوسری جنگِ عظیم کے ایام میں جب آزادیٔ ہندوستان کا مسئلہ اٹھا تو برصغیر کے عوام بالخصوص مسلمانوں کے سامنے دو مسائل ابھرے :-

اوّل یہ کہ جلد از جلد انگریز حاکموں سے چھٹکارا پایا جائے۔ دوسرے یہ کہ مغربی طرزِ انتخاب اختیار کر کے جمہوریت قائم کی جائے۔ لیکن مخلوط انتخابات ہوتے تو ہندو من حیثِ جماعت ہندوؤں کو ہی ووٹ دیتے۔ اُن کے اکثریت میں ہوتے ہوئے مسلمانوں کی نمائندگی، کروڑوں کی آبادی کے باوجود، غیر مؤثر ہی نہیں صفر کے برابر رہتی۔ ہندو لیڈر اس مغربی جمہوریت کو انگریزی غیر ملکی حکمرانوں کی موجودگی میں، متحدہ قومیت اور نیشنلزم کے استدلال سے پیش پیش رکھتے تھے۔

انگریز ایک عیار حکمران تھا۔ اسلامی سلطنت اور مسلمانوں کے قتلِ عام کے بعد، اس نے بظاہر مسلمانوں کا دوست بن کر کچھ قدم اٹھائے جس سے ان حالات کا کچھ مداوا ہوا مثلاً انگریزی حکومت نے غیر مخلوط انتخابات رائج کئے یعنی مسلمان، مسلم امیدواروں کو ووٹ دیں اور ہندو ہندو امیدواروں کو، دوئم مسلمانوں کے ممبران اسمبلی کی تعداد بلحاظ آبادی متعین کر دی گئی۔ جس کے نتیجہ میں، آبادی کے تناسب سے ان کے منتخب ہونے کا امکان یقینی ہو گیا۔

ان اقدامات نے، آل انڈیا کانگریس اور ہندوؤں کو بے حد سیخ پا کر دیا۔ ہندو کے پاس ایک ہی دلیل تھی کہ ایسے انتخابات متحدہ قومیت کے خلاف جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کے اس نامنصفانہ رویّے نے، چھ کروڑ مسلمانانِ ہند کی نمائندگی اور انصرام حکومت میں ان کے شریک کار ہونے کے تحفظات کو غیر یقینی کر دیا۔ اور ساتھ ہی اُن کا تمام مستقبل خطرے میں پڑ گیا۔

ہندو ہزاروں سال سے اپنے دیس کی دوسری قوموں کو، ایک نیچ ذات، شودر، اچھوت کا درجہ دے کر اپنی اتھاہ سماج میں جذب کر لینے کے طریق کار پر عمل پیرا تھا لیکن وہ اسلام جیسے بلند فطرت اور عالم گیر مذہب کے تابعین کو اپنے اندر ہڑپ نہ کر سکا۔ مزید برآں تنگ نظر ہندو کے اندر فراخدلی نہیں تھی کہ اُنہیں برابر کا شہری مان کر ان کے حقوق تسلیم کرتا۔ شریکِ حکومت کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں کنہیا لال گابا ایڈووکیٹ نے (وہ پاکستان بننے سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے) حال ہی میں موجودہ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالتِ زار کے متعلق ۱۹۷۶ء میں ایک اہم کتاب PASSIVE VOICES لکھی ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

اس کتاب کے مشمولات۔ جو تحریکِ پاکستان کے دوران مسلمانوں نے ظاہر کیے تھے اُن خدشات کا بہت بڑا ثبوت ہیں اور بروقت تھا اور ثابت کرتے ہیں، کہ مطالبہ پاکستان کس قدر صحیح تھا۔

اس صدی کی پہلی تہائی میں مولانا محمد علی جوہر، محمد علی جناح، علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں، خواجہ ناظم الدین وغیرہم مسلمان زعماء نے شروع ہی میں یہ محسوس کر لیا تھا کہ نہ مغربی طرز کی جمہوریت اُن کے بقا کی ضمانت دیتی ہے اور نہ ہی ہندوؤں کی تنگدلی سے یہ امید ہے کہ وہ مسلمانوں کے برابر کے شہری حقوق تسلیم کریں گے اور

کاروبارِ حکومت میں اُن کا متناسب حصہ دیں گے۔

اس صدی کے تیسرے عشرے میں مسلمانوں نے نہرو رپورٹ کے خلاف سخت احتجاج کیا کیونکہ وہ اس میں صاف اپنی سیاسی موت، ثقافتی تباہی اور معاشی بربادی دیکھ رہے تھے کہ اگر ہندوؤں نے مغربی جمہوریت کے پرچم تلے ہندو نمائندوں کو ہی ووٹ دینا ہے، تو مسلمانوں کو ہندوؤں کے دست بُرد سے بچنے اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے دوسرے راستے اختیار کرنے پڑیں گے۔

دوسری طرف ہمیں دین اسلام سے مسلمانوں کی والہانہ عقیدت اور ولولہ انگیز ایمان پر بھی نظر رکھنی چاہیئے۔ جو اُن کے لئے سماجی استحکام کا منبع، ثقافت کی اساس، اور مادی دنیا کی مصلحت کیش افراط تفریط میں صراطِ مستقیم کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تاریخ کے خطرناک موڑوں پر مسلمان نے اسلام کو نہیں بچایا۔ بلکہ ہمیشہ اسلام نے مسلمان قوم کا تحفظ اور رہبری کی ہے۔

سب کچھ کھو کر بھی مسلمان کے لئے اسلام ہی سب سے بڑی دولت ہے جس کو وہ اپنا سہارا بناتا ہے۔ اسلام امیری غریبی، رنگ و نسل و قومیت سے بالاتر ہو کر اعلیٰ اخلاق اور عدل گستری کی تربیت دے کر مسلمان کو تمام دنیا کی امامت کے لئے تیار کرتا ہے۔ ایک صحیح العقیدہ مسلمان مایوسی سے کبھی مایوسی کا شکار نہیں ہوتا بلکہ اپنے ایمان کے سہارے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہبری میں، اپنے نصب العین کے حصول میں عمل پیہم کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اس صدی کے ابتدائی واقعات کی یہ رو مسلمانوں کو تاریخ کے اہم موڑ پر لے گئی۔ ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ ایک طرف یہ خطرہ تھا کہ جمہوریت کے نعرہ کے تحت ووٹوں کی بنیاد پر متحدہ نیشنلزم (جسے چودھری رحمت علی نے آڑے ہاتھوں لیا ہے) مسلمانوں کی ہستی کو بے حقیقت کر دے گی۔ دوسری طرف یہ کہ ہندو برسر اقتدار آکر اپنی عددی برتری، پولیس، فوج، اور خود ساختہ قانون کے بل بوتے پر، اسلامی ثقافت، اسلامی شعائر اور خود اسلام کو بے اثر کرنے کے راستے اختیار کرے گا۔

اب صرف دو متبادل صورتیں باقی رہ گئی تھیں:

الف: متحدہ ہندوستان میں مؤثر اور متناسب حصہ دار ہونا

یا

ب: اکثریتی صوبوں کی الگ ریاست قائم کرنا

دیگر اس غیر ملکی حاکم کو ملک سے نکالنے کی جنگِ حریت میں شروع سے مسلمان ہندوؤں کے دوش بدوش شریک کار تھے۔ لیکن ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ نے ہندو طرزِ فکر کو آشکارا کر دیا اور مسلمانوں کو ان کے عبرتناک مستقبل کا نقشہ دکھا دیا۔ مسلمانوں کا ردِّ عمل نہایت پریشانی اور بے بسی کی شکل میں سامنے آیا۔ کیونکہ اس وقت مسلمان من حیث القوم ہندو کانگرس کے جماعتی نظام کا حصہ تھے۔ بحیثیت ایک مستقل اقلیت جداگانہ طور پر منظم نہ تھے۔ ہندوؤں پر اعتبار کرتے ہوئے انہوں نے کوئی اپنا نفسیاتی، جذباتی اور اجتماعی نکتۂ ماسکہ قائم نہ کیا تھا۔ ستم

بالائے ستم یہ کہ پریشانی اور بے بسی ایک دو انسانوں کی نہیں چھ کروڑ افراد کی تھی کہ ہندوان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ آج بھی آپ ہندوستان اور بنگلہ دیش جائیں اور مطالعہ کریں کہ عام مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں اور بالکل اس کے برعکس ہندوؤں کے ساتھ بنگلہ دیش میں کیا سلوک ہو رہا ہے۔

خدائے عزوجل کا احسان ہے کہ اس نے مسلمان قوم کو، اور کئی نامور زعماء کے علاوہ اِن تین ہستیوں کی بے لوث خدمات سے سرفراز کیا جنہوں نے قوم کی کشتی کو طوفانی بھنور سے نکال کر ساحلِ مراد سے لگا دیا۔

تاریخ ایک مسلسل عمل ہے۔ ہر نیا حادثہ سابقہ واقعہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور آنے والے واقعہ کا سبب بنتا ہے۔ لیکن تاریخ، اُن ظاہری اور مرئی شواہد سے ماوریٰ ایک داخلی کیفیت کا اظہار ہے جو بساطِ وقت پر مادی ماحول کی تخریب و بازتشکیل کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

اسلام جو مسلمانوں کے ماضی، حال و مستقبل کی قدرِ مشترک مہیا کرتا ہے، تاریخی تسلسل میں رکاوٹ، اور ثقافت و معاشرت کی پامالی کے خطرات کی تنبیہہ اس صدی کے اوائل میں ہی دے رہا تھا۔ لیکن

اقبالؒ کی بانگِ درا نے قوم کو فکر و عمل کا راستہ دکھایا۔

رحمت علیؒ نے پاکستان کا نام تجویز کیا یہی نہیں بلکہ انتہائی جرأت و بیباکی سے پاکستان کا منصوبہ تیار کیا۔ تمام دنیا میں

اس کی تشہیر کی اور مدلل اساس بہم پہنچائی۔
قائدِ اعظم محمد علی جناح رح نے ہمت مردانہ سے کام لے کر اپنے پیشرؤوں کی کارگذاری سے پورا پورا فائدہ اٹھایا —— بے تیغ ہی مجاہدانہ کردار ادا کیے۔ اور قیادتِ عظمیٰ کے فرائض ادا کیے۔

ع خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

اس طرح مورخِ وقت نے اپنی کتاب کا ۔ اور باب مکمل کیا۔

(مطبوعہ: آفتابِ عالم پریس لاہور)